

اصولیین کے نزدیک حروف عطف اور تفسیر قرآن (حرف واو کی بحث)

حافظ عبداللہ *

حروف کی دو اقسام ہیں ایک حروف مبانی اور دوسری حروف معانی۔ حروف مبانی وہ ہیں جن سے کلمہ یا لفظ مرکب ہوتا ہے لیکن وہ خود کلمہ یا لفظ نہیں ہوتے جیسے زید میں ز۔ ی۔ د حروف مبانی ہیں کہ ان سے لفظ زید مرکب ہے لیکن یہ حروف علیحدہ علیحدہ خود کلمہ یا لفظ نہیں ان کو حروف تنجی اور حروف الہجاء بھی کہتے ہیں۔

علامہ تھانویؒ ”کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم“ میں فرماتے ہیں:

”عرف العرب کما فی شرح المواقف یطلق علی ما یتربک منه اللفظ نحو ا

ب ت لا ألف و باء و تاء، فانها أسماء الحروف لا أنفسها کما فی النظامی

شرح الشافیه و یسمى حرف التهجی و حرف الہجاء و حرف المنبئ۔“ (۱)

”عرف عرب میں ان کا اطلاق ان پر ہوتا ہے لفظ جن سے مرکب ہوتا جیسے ا، ب، ت نہ کہ

الف، با، تا کیونکہ یہ اسماء حروف ہیں نہ کہ خود حروف، جیسا کہ شرح المواقف اور النظامی شرح

شافیہ میں ہے، ان کو حروف تنجی یا حروف الہجاء یا حروف مبانی کا نام دیا جاتا ہے۔“

مصطفیٰ جمال الدین ”البحث النحوی عند الاصولیین“ میں ”حرف“ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”وهذا الحرف..... و قدم یوکن حروفا و حرکات غیر مستقلة عن اصول

الکلمات، ولكنها تمتزج معها بحیث تساهم فی بناء معنی المفرد، او فی بناء

معنی المركب وقد اصطلح علیها. عند الاصولیین. ب (الهیئات) وعند

النحاة ب (الصیغ).“ (۲)

’اور یہ حرف..... حروف اور حرکات، اصول کلمات کے اعتبار سے غیر مستقل ہوتے ہیں لیکن ان

کا جب باہم امتزاج ہوتا ہے تو اس لحاظ سے وہ مفرد (الفاظ) کے معنی کی تشکیل میں حصہ ڈالتے

ہیں۔ یا مرکب جملوں کے معانی کی بنیاد بنتے ہیں۔ ان کو اصطلاح اصولیین میں بینات اور

نحویوں کی اصطلاح میں صیغ کہا جاتا ہے۔“

حروف کی دوسری قسم حروف معانی ہیں اور یہ اسم اور فعل کے مقابلہ میں آتے ہیں۔ اور یہ خود کلمات ہیں لیکن اپنے

* اسٹنٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان

معنی میں دوسرے کلمات کے محتاج ہوتے ہیں یہی حروف ہیں جو افعال کے معانی اسماء تک پہنچاتے ہیں حروف کی یہی وہ قسم ہے جس سے علماء نحو بحث کرتے ہیں۔

علامہ ابن عقیل ”الفیہ ابن مالک“ کی شرح میں کلمہ، اسکی اقسام، اسم اور فعل کی تعریف کرنے کے بعد حرف کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”وان لم تدل علی معنی فی نفسہا۔ بل فی غیرہا۔ فہی الحرف۔“ (۳)
 ”اگرچہ وہ اپنے معنی پر بذات خود دلالت نہیں کرتا لیکن اپنے غیر پر معنوی دلالت کرتے ہیں۔
 چنانچہ یہ حرف ہیں۔“

علامہ جرجانی علماء نحو کی اصطلاح ”حرف“ کی تعریف اس طرح فرماتے ہیں:

”ما دل علی معنی فی غیرہ۔“ (۴)
 ”جو اپنے غیر کے معنی پر دلالت کرتے۔“

علامہ سیوطی ”الاشباء والنظار فی النحو“ میں فرماتے ہیں:

”واما حد حروف المعانی وهو الذی یلتمسہ النحویون فهو ان یقال الحرف ما دل علی معنی فی غیرہ نحو من والی و ثم، و شرحہ ان (ان) تدخل فی الکلام للتبعیض فہی تدل علی تبعیض غیرہا لا علی تبعیضہا نفسہا و کذلک اذا کانت لا بتداء الغایۃ کانت غایۃ غیرہا۔ و کذلک سائر وجوہہا و کذلک (الی) تدل علی المنتہی فہی تدل علی منتہی غیرہا لا علی منتہی نفسہا، و کذلک سائر حروف المعانی۔“ (۵)

”جہاں تک حروف معانی کی تعریف کا تعلق ہے تو یہ وہ حروف ہیں جس سے نحو یوں نے یہ مراد لی ہے کہ یہ وہ حروف ہیں جو اپنے غیر کے معنی پر دلالت کرتے ہیں مثلاً من، الی اور ثم وغیرہ۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ حرف ’من‘ کسی بھی کلام میں تبعیض کے لیے آتا ہے لیکن یہ تبعیض اس کے غیر کی ہوتی ہے نہ کہ حرف ’من‘ کی اپنی تبعیض ہوتی ہے اسی طرح یہ ابتداء غایت کے لیے آئے تو دوسرے کی غایت بتانے کے لیے ہوگا۔ یہی صورت اس کی تمام وجوہ کی ہے۔ حرف الی انتہاء پر دلالت کرتا ہے اور یہ انتہاء غیر پر دلالت ہوتی ہے نہ کہ الی اپنی ذات کے منتہاء پر دلالت۔ تمام حروف معانی اسی طرح ہیں۔“

علامہ تھانویؒ فرماتے ہیں:

”فہی اصطلاح النحاة كلمة دلت على معنى في غيره و يسمى بحرف

المعنى ايضاً، وبالا داة ايضاً.“ (۶)

”نحویوں کی اصطلاح میں وہ کلمہ جو اپنے غیر کے معانی پر دلالت کرے۔ ان کو حروف معانی بھی

کہا جاتا ہے اور اداة بھی۔“

علامہ مصطفیٰ جمال الدین حروف معانی سے متعلق فرماتے ہیں:

”وهذا الحرف قد يكون كلمة مستقلة لها معنى خاص كالا ابتداء والانتهاء

والاستفهام، التمني وامثالها تودية ضمن وظيفة الربط بين المفردات، وهما ما

اصطلاح عليه ب (حروف المعاني).“ (۷)

”یہ حروف کلمہ مستقلہ ہیں اور ان کے لیے خاص معنی ہیں جیسے ابتداء، انتہاء، استفہام، تمنا اور اس

کی مثل دیگر معانی، یہ مفرد الفاظ کے مابین ربط کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ ان کو اصطلاحاً

حروف معانی کہا جاتا ہے۔“

قرآن کریم کی تفسیر اور نصوص سے احکام شرعیہ سے استنباط و استخراج میں حروف معانی کے صحیح فہم کی انتہائی اہمیت

ہے اس لیے علماء اصول نے بھی ان کو موضوع بحث بنایا ہے اور کتب اصول میں ان پر مفصل کلام کیا ہے۔

علماء اصول نے حروف معانی کی دو اقسام پر بحث کی ہے۔

۱۔ حروف عطف ۲۔ حروف جار

اس مقالہ میں علمائے اصول کی کتب کی روشنی میں حروف عطف اور تفسیر قرآن پر ان کے اثرات کے حوالے صرف

حرف واؤ کے تناظر میں بحث کی جائے گی۔

حروف عطف:

عطف کے لغوی معنی پھیرنا، لوٹانا، مائل کرنا اور ایک سرے کو دوسرے سرے کی طرف موڑ دینا کے ہیں۔

امام راغب فرماتے ہیں:

”العطف يقال في الشيء اذا ثنى احد طرفيه الى الآخر، كعطف الغصن

والوسادة والحبل، ومنه قيل للراء المثنى: عطف، وعطف الانسان جانباه من

لذن راسه الى وركه، وهو الذي يمكنه ان يلقيه من بدنه.“ (۸)

”عطف کسی چیز کے بارے اس وقت کہا جاتا ہے جب اس کی ایک جانب کو دوسری جانب دہرا کر دیا جائے جیسا کہ ٹہنی کو موڑنا یا سرہانے کو موڑنا یا رسی کو دہرا کرنا۔ اسی سے دوسری چادر کے لیے عطف کا لفظ بولا جاتا ہے۔ عطف الانسان سے مراد اس کے دونوں طرف، سر سے اس کی سرین تک، مراد ہوتے ہیں اور یہ اس وقت ہی ممکن ہے جب وہ اپنے بدن کو موڑ لے (یعنی دہرا ہو جائے)۔“

ابن منظور افریقی تحریر فرماتے ہیں:

”و عطف عليه يعطف عطفًا: رجع عليه بما يكره اوله بما يريد.“ (۹)
 ”عطف، یعطف عطفاً یعنی اس پر لوٹ آیا جس سے وہ نفرت کرنا تھا اور اسکی طرف مائل ہو گیا جو وہ چاہتا تھا۔“

حروف عطف کو بھی حروف عطف اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کے ذریعے ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ یا ایک جملہ کو دوسرے جملہ کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور دونوں کی اعرابی حالت ایک ہی ہوتی ہے۔ ان کے ماقبل کو معطوف علیہ اور مابعد کو معطوف کہتے ہیں۔

علامہ عبدالعزیز بخاری فرماتے ہیں:

”العطف في اللغة الشئى والرد يقال عطف العود اذا ثناه ورده الى الآخر فالعطف في الكلام ان يرد احد المفردين الى الآخر فيما حكمت عليه او احدى الجملتين الى الآخر فى الحصول. و فائدته الاختصار واثبات المشاركة.“ (۱۰)

”عطف لغت میں دہرا کرنا اور لوٹانے کے معنی میں ہے۔ عطف العود اس وقت کہا جاتا ہے جب اس کو دہرا کیا جائے اور اس کے ایک سرے کو دوسرے طرف موڑ دیا جائے۔ کلام میں عطف سے مراد یہ ہے کہ جب مفرد الفاظ میں سے ایک کو دوسرے کی طرف لوٹایا جائے جس میں وہ اس پر حکم ہوگا۔ یا دو جملوں میں سے ایک کو دوسرے کی طرف معنویت کے حصول کے لیے لوٹایا جائے اس کا فائدہ اختصار اور مشارکت کا اثبات ہوتا ہے۔“

حروف عطف کل دس ہیں جو درج ذیل ہیں:

واو، فا، ثم، حتى، أو، بل، كن، لا، أم اور أما

علماء اصول نے کثرت استعمال اور اہمیت کے پیش نظر پہلے سات حروف عطف پر زیادہ بحث کی ہے لیکن ہم صرف واؤ سے متعلق علماء اصول کیبحاث کو زیر بحث لائیں گے۔

واو:

تمام علماء اصول نے حروف عطف میں سے سب سے پہلے ”واؤ“ کو بیان کیا ہے اور اس تقدیم کی وجہ یہ ہے کہ ”واؤ“ کا مدلول مطلقاً دو چیزوں کو جمع کرنا ہے۔ بخلاف دوسرے حروف عطف کے کہ جن کا مدلول مقارنت یا ترتیب وغیرہ کی قید کے ساتھ مقید ہوتا ہے۔

علامہ عبدالعزیز بخاری فرماتے ہیں:

”لان العطف لاثبات المشاركة و دلالة الواو على مجرد الاشتراك و سائر حروف العطف يدل على معنى زائد على الاشتراك فان الفاء يوجب الترتيب معه و ثم يوجب التراخي و معه فلما كانت في تلك الحروف زيادة على حكم العطف صار كالمركبة معنى الواو مفرد والمفرد قبل المركب ، والحاصل ان العطف لما كان عبارة عن الاشتراك والواو متمخصة لا فائدة هذا المعنى دون غيره صارت اصلا في العطف.“ (۱۱)

”کیونکہ عطف (بنیادی طور پر) معنوی اشتراک کے (اظہار و) اثبات کے لیے ہوتا ہے اور (صرف) واؤ ہی مجرد اشتراک پر دلالت کرتا ہے جبکہ باقی تمام حروف عطف اشتراک کے ساتھ ساتھ کسی نہ کسی زائد معنی پر بھی دلالت کرتے ہیں جیسے فائز ترتیب کو لازم کرتا ہے ثم تراخی (یعنی بعد میں اور تاخیر سے ہونا) پر دلالت کرتا ہے۔ اس لیے جب ان حروف میں حکم عطف کے ساتھ معنوی اضافہ بھی موجود ہوتا ہے تو یہ معانی کے لحاظ سے مرکب بن گئے اور واو معنی کے اعتبار سے مفرد ہے اور مفرد مرکب سے پہلے ہوتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جب عطف اشتراک معنی سے عبارت ہے اور صرف واؤ ہی اس فائدہ کے حصول کے لیے مخصوص ہے اس لیے عطف میں واؤ ہی اصل ہے۔“

علامہ سیوطی فرماتے ہیں:

”الواو اصل حروف العطف ولهذا انفردت عن سائر حروف العطف باحكام.“ (۱۲)

”حروف عطف میں واؤ اصل ہے اس لیے یہ عطف کے احکام میں دیگر تمام حروف سے منفرد ہے۔“

کلمہ ”واؤ“ مطلق عطف یعنی محض شرکت کے لیے آتا ہے گویا معطوف علیہ اور معطوف صرف حکم میں شریک ہوتے

ہیں اس کے معنی ”مقارنت“، یعنی دو چیزوں کا ایک زمانہ میں جمع ہونا اور ”ترتیب“، یعنی معطوف کا معطوف علیہ سے زمانہ میں موخر ہونا ملحوظ نہیں ہوتا۔ علماء احناف کی اکثریت کا یہی مذہب ہے جبکہ بعض شوافع کے نزدیک واو ترتیب کے معنی پر دلالت کرتا ہے۔

علامہ بزدوی فرماتے ہیں:

”الواو وهی عندنا لمطلق العطف من غیر تعرض لمقارنة و لا ترتیب و علی هذا عامة اهل اللغة وائمة الفتوى وقال بعض اصحاب الشافعی ان الواو یوجب الترتیب.“ (۱۳)

”ہمارے نزدیک واو مطلقاً عطف کے لیے ہے۔ اس کے معنی کا نہ تو مقارنت سے کوئی تعلق ہے اور نہ ترتیب سے۔ یہی قول تمام اہل لغت اور ائمہ فتویٰ کا ہے۔ البتہ بعض اصحاب شافعی کا قول ہے کہ واو، ترتیب کو واجب کرتی ہے۔“

علامہ سرخسی حروف عطف کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”الاصل فیہ الواو فلا خلاف انه للعطف (ولكن عندنا هو للعطف) مطلقا فیکون موجه لا شتر اک بین المعطوف والمعطوف علیہ فی الخبر من غیر ان یقتضی مقارنة او ترتیب، وهو قول اکثر اهل اللغة، وقال بعض اصحاب الشافعی ان موجب للترتیب.“ (۱۴)

”اصل یہی ہے کہ واو عطف کے لیے ہے اور اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ (لیکن ہمارے نزدیک وہ مطلقاً عطف کے لیے) اور اس سے معطوف و معطوف علیہ کے مابین خبر میں اشتراک کا وجوب مقصود ہوتا ہے نہ کہ اس کا اقتضاء مقارنت یا ترتیب ہے۔ یہ اکثر اہل لغت کی رائے ہے۔ البتہ بعض شافعیہ کا قول ہے کہ واو ترتیب کے وجوب کے لیے ہے۔“

علامہ نسفی فخر الاسلام بزدوی کی اتباع میں فرماتے ہیں:

”قالوا: ولمطلق العطف من غیر تعرض لمقارنة ولا ترتیب.“

”انہوں نے کہا واو مطلقاً عطف کے لیے ہے اور اس میں مقارنت و ترتیب کے معانی سے کوئی تعرض نہیں ہوتا۔“

اور پھر اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

”وبه قال سیبویه وجميع نحاة البصرة والكوفة.“ (۱۵)

”یہی قول سیبویہ کا ہے اور یہی رائے تمام بصری و کوئی نحو یوں کی ہے۔“

ملا جیون ”شرح نور الانوار علی المنار“ میں فرماتے ہیں:

”یعنی ان الواو ولمطلق الشركة فان كان في عطف المفرد على المفرد فالشركة ثابتة في المحكوم عليه او به وان كان في عطف الجمل فالشركة في مجرد الثبوت والتود، وبالجملة هو لا يتعرض للمقارنة كما زعمه بعض اصحابنا ولا للترتيب كما زعمه بعض اصحاب الشافعي فاذا قيل جاءني زيد وعمرو يحتمل انهما جاءا معا او تقدم احدهما على الآخر، وحجة الشافعي قوله: نحن نبدا بما بدا الله، في قوله تعالى: ﴿اِنَّ الصَّفاَ وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ﴾ (١٦) ففهم النبي ﷺ منه الترتيب، وفي قوله تعالى: ﴿وَارْكَعُوا وَاسْجُدُوا﴾ (١٧) فان تقديم الركوع على السجود واجب، والجواب عن الاول: ان النبي ﷺ لعلة فهم الترتيب من وحى غير متلو، وانما احال على الآية باعتبار ان التقديم في الذكر لا يخلو عن الاهتمام والترجيح، وعن الثاني انه معارض لقوله تعالى: ﴿وَاسْجُدْ وَارْكَعْ﴾ (١٨) خطابا لمريم، فان تقديم السجود على الركوع ليس بفرض بالاجماع.“ (١٩)

”واو مطلقا شرکت کے لیے ہے۔ اگر ایک واو ایک مفرد (لفظ) کے دوسرے مفرد لفظ کے درمیان عطف کے لیے ہو تو محکوم علیہ (جس کے بارے حکم دیا گیا) یا محکوم بہ (جس کی وجہ سے حکم شرعی وارد ہوا) کے ساتھ شرکت ثابت ہوگی۔ اور اگر واو جملوں میں عطف کے لیے آیا ہو تو صرف ثبوت اور وجود میں شرکت ہوگی۔ واو مقارنت کے معنی کے ساتھ بھی کوئی تعلق نہیں رکھتی جیسا کہ ہمارے بعض اصحاب کی رائے ہے۔ اور نہ ہی واو ترتیب کے معنی کے لیے آتا ہے۔ جیسا کہ بعض اصحاب شافعی کا گمان ہے۔ چنانچہ جب کہا جاتا ہے (جاءني زيد وعمرو) میرے پاس زيد اور عمرو آئے، تو یہ اس کا احتمال رکھتا ہے کہ دونوں اکٹھے آئے یا ان میں سے ایک دوسرے سے پہلے آیا۔ امام شافعی کی (اپنے موقف کے حق میں) دلیل نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے آپؐ نے فرمایا: (نبدا بما بدا الله)، ہم بھی اس سے شروع کرتے ہیں جس سے اللہ نے شروع کیا (آپؐ نے حج و عمر میں صفا و مروہ کی سعی کا آغاز کرنے کے بارے فرمایا کہ صفا سے شروع کرتے ہیں جس کے ذکر کو قرآن نے مروہ سے پہلے کیا) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ (اسی طرح امام شافعیؒ کی دوسری دلیل) فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَارْكَعُوا وَاسْجُدُوا﴾ چنانچہ رکوع کو ہجود پر مقدم رکھنا ہے واجب ہے۔ پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ عین ممکن ہے نبی کریم ﷺ نے صفا سے مروہ کی جانب سعی کرنے کی ترغیب وحی غیر متلو سے بھی ہو اور اس کو آیت پر محمول اس اعتبار سے فرمایا ہو کہ ذکر میں تقدیم، اہتمام اور ترجیح سے خالی نہیں ہو سکتی (یعنی قرآن میں اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کا ذکر، کسی دوسری چیز سے پہلے کرنا اس چیز کی اہمیت اور اس کی ترجیح کو بیان کرنے کے لیے ہو سکتا ہے)۔

اور دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿وَاسْجُدْ وَاقْصِبْ﴾ سے متعارض ہے جس میں مریمؑ سے خطاب فرمایا گیا۔ (اس آیت میں سجدے کو رکوع پر مقدم کر کے بیان کیا گیا) ہجود کی تقدیم رکوع پر بالا جماع فرض نہیں ہے۔“
امام الحرمین جوینی فرماتے ہیں:

”خاض الفقهاء في الواو العاطفة، وانها هل تقتضي ترتيبا او جمع فاشتهر من مذهب الشافعي المصير الى انها للترتيب. وذهب اصحاب ابى حنيفة الى انها للجمع. وقد زل الفريقان: فاما من قال: انها للترتيب، فقد احتكم في لسان العرب، فانا باضطرار نعلم من لغتها ولسنها ان من قال: رايته زيدا و عمرا، لم يقتض ذلك تقديم رؤية زيد، وقد يعلم الناطق والمخاطب ان رؤية عمرو كانت متقدمة، ويحسن نظم الكلام كذلك.“

ومن اصدق الشواهد ابطال ادعاء الترتيب ان العرب استعملت الواو في باب التفاعل، فقالت: تقاتل زيد و عمر، ولو قالت: تقاتل زيد ثم عمرو، لكان خلفا.

فان قيل: ان اذا قال الزوج لستى لم يدخل بها، انت طالق و طالق. طلقت واحدة، ولم تلحقها الثانية، ولو كانت الواو تقتضي جمع للحقتها الثانية، كما تطلق تطليقتين اذا قال لها: انت طالق طليقتين، وهذا تلبيس لا يتلقى من مثله ماخذ اللسان، والسبب في ان الثانية لا تلحقها ان الطلاق الثاني ليس تفسيرا لصدر الكلام، والكلام الاول تام، فبانت به، واذا قال: انت طالق

تلقین فالقول الاخير بعد استكمال الكلام اول في حكم البيان له، فكان الكلام باخره، فهذا وجه الرد على من يرى الواو مرتبة.
واما من زعم انها للجمع، فهو ايجا متحكم، فانا على قطع نعلم ان من قال:
رأيت زيدا وعمرا لم يقتض ذالك انه رأهما معا.

فاذا مقتضى الواو العطف والاشتراك، وليس فيه اشعار بجمع ولا ترتيب.“ (۲۰)
واؤ عاطفہ کے بارے میں فقہاء نے غور و غوض فرمایا کہ یہ ترتیب کی مقتضی ہے یا جمع کی۔ امام شافعیؒ کا مشہور مذہب اس کے بارے میں یہ ہے کہ یہ ترتیب کے لیے ہے جبکہ اصحاب امام ابوحنیفہؒ اس رائے کی جانب گئے ہیں کہ یہ جمع کے لیے ہے۔ اس مسئلہ میں دونوں گروہوں سے لغزش ہوئی۔ چنانچہ جس کا یہ قول ہے کہ یہ ترتیب کے لیے ہے تو اس نے اہل عرب کی زبان میں تصرف کر دیا (اور اس پر خود حکم بن گیا) حالانکہ ہم ان کی لغت اور زبان سے بے اختیار یہی سمجھتے ہیں جب کوئی کہے رایت زید و عمر (میں نے زید و عمر کو دیکھا) کہ اس کا مقصد یہ بتانا نہیں ہے کہ زید کو دیکھنے کا عمل مقدم ہے (اور عمر بعد میں نظر آیا) بلکہ گفتگو کرنے والا اور مخاطب دونوں جانتے ہوئے کہ عمر کو دیکھنا پہلے تھا لیکن اس طرح کہہ کے نظم کلام میں حسن پیدا کیا۔

انتہائی مضبوط شواہد (واؤ کے) ترتیب کے لیے ہونے کے دعویٰ کو باطل قرار دیتے ہیں۔ اہل عرب نے واؤ کے باب تفاعل میں (عطف کے لیے) استعمال کیا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں تقاتل زید و عمرو (زید و عمرو نے باہم مقاتلہ کیا) اور اگر وہ کہیں کہ تقاتل زید ثم عمرو (زید نے جنگ کی پھر عمرو نے) تو وہ اس کے بعد ہوگا۔ پس اگر کہا جائے: جب کوئی شوہر اپنی غیر مدخولہ بیوی سے کہے انت طالق و طالق۔ (تو مطلقہ ہے اور تو مطلقہ ہے) اسے، ایک طلاق ہوگی، اور دوسری طلاق اس کو لاحق نہیں ہوگی۔ اگر واؤ جمع کی مقتضی ہوتی تو اس کو دوسری طلاق بھی لاحق ہو جاتی۔ جیسا کہ دو طلاقیں دی جاتی ہیں جب عورت سے کہا جائے: انت طالق تطليقتين۔ (تو دو طلاقیں کے ساتھ مطلقہ ہے) یہ ایسا التباس ہے جسکی مثال (عربی) زبان کے ماخوذوں میں موجود نہیں۔ دوسری طلاق کے عورت کو لاحق نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ طلاق ثانی صدر کلام کی تفسیر و توضیح نہیں۔ کلام اول ایک مکمل کلام ہے۔ اس لیے وہ اس سے بائن ہو جائے گی۔ اور جب کسی نے کہا انت طالق تطليقتين۔ (تو دو طلاقیں سے مطلقہ ہے) تو بعد والا قول، پہلے کلام کے مکمل ہو جانے کے بعد، اس کے بیان کے حکم میں ہے، چنانچہ یہ کلام اس کے بعد ہے۔ یہ اس دلیل

اس کے قول کو رد کرنے کی وجہ ہے جو رائے رکھتا ہے کہ واؤ ترتیب کے لیے ہوتی ہے۔ جس نے یہ گمان کیا یہ واؤ جمع کے لیے ہے تو وہ بھی (عربی زبان کے قواعد میں) تصرف کرنے والا ہے۔ جبکہ ہم قطعی طور پر جانتے ہیں کہ جب کوئی کہے رأیت زید و عمر تو اس کا مقتضی یہ نہیں ہوتا کہ (وہ بتائے کہ) اس نے ان دونوں کو ایک بارگی دیکھا۔ پس حرف واؤ کا اقتضا عطف و اشتراک ہے۔ اور اس میں جمع و ترتیب کی کوئی علامت موجود نہیں۔“

امام الحرمین جوینی نے جس رائے کو ترجیح دی ہے عام اہل لغت کا یہی مذہب ہے اور علماء احناف کی اکثریت نے اسی کو اختیار کیا ہے برخلاف اس کے جس کی طرف امام الحرمین نے اصحاب ابی حنیفہ کو منسوب کیا ہے۔ اس اختلاف کی بناء پر احناف کے نزدیک اللہ کے ارشاد:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ (۲۱)

”اے ایمان والو جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو (پہلے) اپنے چہروں اور اپنے دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولو۔ اور اپنے سر کو مسح کرو اور اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھو۔“

میں حروف عطف ”واؤ“ مطلق شرکت کے لیے ہے یعنی صرف حکم میں معطوف علیہ اور معطوف شریک ہیں اس لیے وضو میں ترتیب فرض نہیں ہے۔ (۲۲) جبکہ شوافع کے نزدیک واؤ ترتیب کے معنی پر دلالت کرتا ہے اس لیے وہ وضو میں ترتیب فرض بتاتے ہیں۔

کبھی واو حال کے معنی میں بھی آتا ہے۔

علامہ بزدوی فرماتے ہیں:

”وقد يستعار الواو للحال وهذا معنى يناسب معنى الواو لان الاطلاق يحتمله“ (۲۳)

”(کبھی) واؤ حال بیان کرنے کے لیے مستعار ہوتا ہے۔ یہ معنی واؤ کے (اصل و حقیقی) معنی کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔ کیونکہ مطلق اس کا احتمال رکھتا ہے۔“

علامہ عبدالعزیز بخاری اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

”يعنى لما كانت الواو لمطلق الجمع كان الاجتماع الذى بين الحال وذى الحال من محتملاته لان المطلق يحتمل المقيد فيجوز استعارتها لمعنى

الحال عند الاحتیاج، قال الله تعالى: ﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا﴾ (زمر ۷۳)، ای وقد فتحت ابوابها. قبل ابواب جہنم لا تفتح الا عند دخول اهلها فيها واما ابواب الجنة فمتقدم فوحها بدليل قوله: ﴿جَنَّتِ عَدْنٌ مُّفْتَحَةً لَّهُمُ الْأَبْوَابُ﴾ (ص: ۵۰) وذلك لان تقديم فتح باب الضیافة علی وصول الضیف اکراماً له وتاخير فتح باب العذاب الی وصول المستحق له الیق بالکرم فلذلک جیء بالواو کانه قبل حتی اذا جاء وقد فتحت ابوابها قبل وجب اذا محذوف ای اذا جاء وها وکانت هذه الاشیاء التي ذكرت الی قوله ﴿فَاذْخُلُوهَا خَالِدِينَ﴾ (زمر: ۷۳) دخلوها ونالوا المنی. وانما حذف لانه فی صفة ثواب اهل الجنة فدل بحذفه علی انه شیء لا یحیط به الوصف“ (۲۴) ”یعنی جب واؤ مطلق جمع کے لیے ہو تو یہ اس کا متحمل ہوگا کہ اجتماع حال اور ذی الحال مراد ہو۔ کیونکہ مطلق، مقید ہونے کا احتمال رکھتا ہوتا ہے اس لیے جائز ہے کہ اس کو ضرورت کے وقت استعارتاً حال کے معنی میں استعمال کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا﴾ جب وہ آئیں گے تو ان کے دروازے کھول دیئے گئے ہوں گے۔ یعنی تحقیق اس کے دروازے کھلے ہوں گے۔ کہا گیا جہنم کے دروازے کھلے نہیں ہوں گے بلکہ اس کے اہل کے عین داخل ہونے کے وقت انہیں کھولا جائے گا۔ اور جہاں تک جنت کے دروازوں کا تعلق ہے تو وہ پہلے سے ہی کھلے ہوں گے اس کی دلیل یہ فرمان الہی ہے: ﴿جَنَّتِ عَدْنٌ مُّفْتَحَةً لَّهُمُ الْأَبْوَابُ﴾ یعنی جنات عدن ان کے لیے جن کے دروازے کھلے ہوں گے۔ اور یہ اس لیے ہوگا کہ مہمان کی آمد سے قبل ہی میزبان کا دروازہ کھلا ہونا مہمان کا اکرام ہوتا ہے۔ اور عذاب کے مستحق کے لیے اس کے دروازے دیر سے کھلنا کہ (معذّب) اس میں داخل ہو کر مر کے زیادہ قریب ہے۔

اس لیے یہاں واؤ کے ساتھ آیا گویا کہا گیا کہ ﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا﴾ اور یہ کہا گیا ہے اذا کا جواب یہاں محذوف ہے یعنی جب وہ آئیں گے اور یہ سب چیزیں جن کا ذکر کیا گیا اس سے مراد ہیں ﴿فَاذْخُلُوهَا خَالِدِينَ﴾ وہ اہل جنت اس میں داخل ہوں گے اور اپنی آرزو کو پالیں گے۔ حذف اس لیے ہے کہ وہ اہل جنت کے ثواب کی صفت ہے تو اس کے حذف کے ذریعے اس بات پر دلالت کی گئی کہ یہ ایسی چیز ہے جسے کوئی بیان وصف احاطہ میں

”نہیں لاسکتا۔“

علامہ سرخسی بھی علامہ بزدوی کی تائید میں فرماتے ہیں:

”وقد تكون الواو بمعنى الحال لمعنى الجمع ايضا فان الحال يجمع اذا لها،
و منه قوله تعالى: ﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا﴾ ای: جاؤا حال ما
تكون ابوابها مفتوحة:“ (۲۵)

”واؤ کبھی حال کے معنی میں سے ہوتا ہے جو کہ جمع کے معنی بھی دیتا ہے۔ کیونکہ حال اس کے
ساتھ جمع ہوتا ہے فرمان باری تعالیٰ اسی معنوں میں ہے: ﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ
أَبْوَابُهَا﴾ یعنی وہ جب آئیں گے تو صورت حال یہ ہوگی کہ جنت کے دروازے کھلے ہوں
گے۔“

امام الحرمین جوینی سیبویہ کا قول نقل فرماتے ہیں:

”قال سيبويه: قد ترد (الواو) بمعنى اذ، وهي التي تسمى واو الحال، قال لله
تعالى: ﴿ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُم مِّن بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَغْشَىٰ طَائِفَةٌ مِّنْكُمْ وَ طَائِفَةٌ
قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ﴾ (۲۶) ای اذ طائفة ﴿قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ﴾“ (۲۷)

سیبویہ کا قول ہے: واؤ کا معنی اذ بھی ہوتا ہے اور واؤ کا اس کے معنی کو حال کا نام دیا جاتا ہے
فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُم مِّن بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَغْشَىٰ طَائِفَةٌ
مِّنْكُمْ وَ طَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ﴾ (پھر اللہ نے تم پر غم کے بعد تسکین نازل کی جو ایک
اوگھ تھی جس نے تم میں سے ایک گروہ کو گھیر لیا اور ایک گروہ کو اپنی جانوں کو فکر لگ گئی) ای اذ
طائفة ﴿قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ﴾ (یعنی وَ طَائِفَةٌ تَقْدِيرِ کلام میں اذ طائفة ہے)۔“

ابن ہشام نے آیت مذکورہ میں واؤ ”واو الحال“ ہے اس قول کی نسبت مبرد، فارسی اور علماء نحو کی ایک جماعت کی طرف

کی ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

”وقيل: هي واو الحال، ای جاؤا مفتوحة ابوابها كما صرح بمفتوحة حالا في
﴿جَنَّتِ عَدْنٌ مُّفْتَحَةً لَهُمُ الْأَبْوَابُ﴾ وهذا قول المبرد والفارسي وجماعة،
قيل: وانما فتحت لهم قبل مجيئهم اكراما لهم عن ان يقفوا حتى تفتح لهم.“ (۲۸)

”اور یہ کہا گیا ہے کہ یہ واؤ حال کے لیے ہے۔ یعنی وہ جب آئیں گے تو ان کے لیے اس (جنت) کے دروازے کھلے ہوں گے جیسا دروازوں کے مفتوح ہونے کے لیے حال کی تصریح اس آیت میں ہے:

﴿جَنَّتٍ عَدْنٍ مَّفْتَحَةٌ لَهُمُ الْآبَوابُ﴾ یہ مبرد، فارسی، اور (نحو یوں کی) ایک جماعت کا قول ہے۔ کہا گیا ہے۔ کہ ان کی آمد سے پہلے اگر اما ان کے لیے ان (دروازوں) کو کھول کے رکھا جائے گا تاکہ انہیں کھولے جانے کا انتظار نہ کرنا پڑے۔“

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ واؤ کا عطف کے لیے ہونا واؤ کے حقیقی معنی ہیں اور واؤ کا حال کے لیے ہونا اس کے مجازی معنی ہیں اور ان دونوں کے درمیان علاقہ یہ ہے کہ واؤ مطلقاً عطف کے لیے ہے اور مطلق عطف کی ہی ایک قسم عطف بطریق اجتماع ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حال اپنے ذوالحال کے ساتھ جمع ہوتا ہے اس لیے یہ بات جائز ہے واؤ سے وہ حال مراد لیا جائے جو ذوالحال کے ساتھ جمع ہونے کا تقاضا کرتا ہے پس یہ ذکر مطلق ارادہ مقید کی قسم سے ہوگا یعنی مطلق عطف ذکر کر کے اس سے مقید یعنی عطف بطریق اجتماع جس کو حال کہتے ہیں مراد لیا گیا۔ مطلق بول کر مقید مراد لینا مجازی کی انواع میں سے ایک نوع ہے دوسرا علاقہ یہ ہے کہ حال درحقیقت ذوالحال کی صفت ہوتا ہے اور صفت اپنے موصوف کے ساتھ جمع ہوتی ہے لہذا حال اپنے ذوالحال کے ساتھ جمع ہوگا۔ پس واؤ کے حقیقی معنی اور مجازی معنی وصف جمع میں مشترک ہیں اور مجازی کے لیے حقیقی معنی کے ساتھ اتنی مناسبت کافی ہے۔

علامہ نسفی فرماتے ہیں:

”وقد يكون الواو للحال، لان الحال يجمع ذا الحال لانه صفة في الحقيقة فيكون مجامعا له فيناسب معنى الواو لانه لمطلق الجمع فاشتركا في وصف الجمع، او لان الواو لما كان لمطلق العطف احتمل ان يكون بطريق الاجتماع، لانه نوعه كالرقبة كاحتمل ان يقع على الهندي لانه نوعها فجاز ان يراد بالواو والحال المقتضية للجمع عند الدلالة، ومنه قوله تعالى: ﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا﴾ ای: اذا جاؤھا، جاؤھا و ابوابھا مفتوحة، قفیل ابواب جھنم لا تفتح الا عند دخول اهلها فيها، واما ابواب الجنة فمتقدم دليل قوله تعالى: ﴿حَتَّىٰ عَدْنٍ مَّفْتَحَةٌ لَهُمُ الْآبَوابُ﴾ فلذا جیء بالواو كانه قال حتى اذا جاؤھا، جاؤھا وقد فتحت ابوابھا. وهذا لانه في بيان الانعام لاهل السلام، واللائق بكرم الكريم ان تكون ابواب داره التي هي مظنة

التعظیم والتجلیل مفتوحة حال الوصول وابواب داره التي هي موضع التعذيب والتسكيل غيره مفتوحة:“ (۲۹)

”واؤ یہاں حال کے لیے ہے کیونکہ حال، صاحب حال کے ساتھ جمع ہوتا ہے کیونکہ حال اس کی حقیقی صفت ہوتا ہے تو وہ اس کے ساتھ جمع ہوتا ہے پس یہ معنی واؤ کے (حقیقی) معنی سے مناسبت رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ مطلقاً جمع کے لیے ہوتا ہے تو یہ دونوں (حال اور ذوالحال) وصف جمع میں مشترک ہوں گے۔

یا اگر واؤ جب مطلقاً عطف کے لیے ہوتا ہے تو اس کا احتمال ہوتا ہے یہ کہ یہ عطف (اشتراک) بطریق اجتماع ہو۔ کیونکہ یہ بھی اس کی ایک (معنوی) نوع ہے جیسے رقبہ کا لفظ اس کا احتمال رکھتا ہے وہ اس کو ہندی (شخص) پر واقع سمجھا جائے گا کیونکہ یہ رقبہ کی ایک نوع ہے اس لیے یہ جائز ہے کہ وہ واؤ سے حال مراد لیا جائے۔ اور حال دلالت کے وقت جمع کا متقاضی ہوتا ہے۔ اس کی مثال اللہ کا فرمان ہے: ﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا﴾ یعنی وہ جب آئے تو اس (جنت) کے دروازے کھلے تھے۔ چنانچہ کہا گیا جہنم کے دروازے جب وہ داخل ہونے کے لیے پہنچیں تو کھلے نہیں ہوں گے جنت کے دروازے پہلے ہی کھلے ہونے کی دلیل یہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿جَنَّتٍ عَذْنٍ مُّفْتَحَةٍ لَّهُمُ الْأَبْوَابُ﴾ اس لیے یہاں واؤ لایا گیا گویا یہ فرمایا گیا: ﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا﴾ یہ (اسلوب) اس لیے ہے کہ اہل سلام کو عطا کیے جانے والے انعام کا بیان ہو۔ اور کریم (رب) کے کرم کی شان کے جو لائق ہے اس کا اظہار ہوا اور وہ یہی ہے اس کے ممکنہ گھر کے دروازے کھلے ہوں تاکہ تعظیم و تکریم ہو سکے۔“

خلاصہ یہ ہے کہ واؤ کلمہ مطلق عطف کے لیے آتا ہے اور اس کے معنی میں ترتیب و مقارنت ملحوظ نہیں ہوتی علماء حنفیہ کی اکثریت کا یہی مذہب ہے۔ بعض شوافع کے نزدیک واؤ ترتیب پر دلالت کرتا ہے، واؤ کبھی حال کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جس کے قرآن میں نظائر موجود ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

- ۱۔ راغب، اصفہانی، حسین بن محمد، مفردات فی غریب القرآن، کراچی، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، س۔ن، ۵۷۲
- ۲۔ ابن منظور، محمد بن مکرم، جمال الدین، لسان العرب، نشر ادب الحوزہ، ۱۴۰۵ھ، ۲۴۹/۹
- ۳۔ بخاری، عبدالعزیز بن احمد، کشف الاسرار شرح المصنف علی المنار، بیروت، دار الکتب العلمیہ، طبع اول، ۱۹۹۷ء، ۱۶۰/۲
- ۴۔ ایضاً،
- ۵۔ سیوطی، عبدالرحمن، جلال الدین، الاشباہ والنظائر فی النحو، بیروت، دار الکتب العلمیہ، طبع اول، ۱۹۹۰ء، ۱۱۰/۲
- ۶۔ بزدوی، علی بن محمد، کنز الوصول الی معرفۃ الاصول، کراچی، امیر محمد کتب خانہ، س۔ن، ۹۰
- ۷۔ سرخسی، محمد بن احمد، اصول، دار المعارف العثمانیہ، طبع اول، ۱۹۸۱ء، ۲۵۱/۱
- ۸۔ کشف الاسرار، ۲۷۹/۲
- ۹۔ القرآن ۱۵۸:۲
- ۱۰۔ ایضاً ۷۷:۲۲
- ۱۱۔ ایضاً ۴۳:۳
- ۱۲۔ ملا جیون، شیخ احمد، شرح نور الانوار علی المنار، دار الکتب العلمیہ بیروت، طبع اول ۱۹۸۶م، ۲۸۰-۲۸۲
- ۱۳۔ زرکشی، محمد بن عبداللہ، بدر الدین، البرہان فی علوم القرآن، بیروت، دار الفکر، ۱۹۸۸ء، ۱۳۷/۱، ۱۳۸
- ۱۴۔ القرآن ۶:۵
- ۱۵۔ واو ترتیب پر دلالت نہیں کرتا بلکہ مطلق شرکت مراد ہوتی ہے کی وضاحت کے لیے علامہ الزجاج قرآن سے متعدد مثالیں نقل فرماتے ہیں ان میں صرف دو ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں۔
ومن ذلک قوله تعالى: ﴿وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ﴾
وقال عز من قائل في سورة الاعراف: ﴿وَقُولُوا حِطَّةٌ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا﴾ والقصة قصة واحده ولم يبال بتقديم الدكول وتاخيرہ عن قوله الحطة
اور دوسری مثال بیان فرماتے ہیں:
ومن ذلک قوله تعالى: ﴿يَمُرُّمُ اقْتَبَى لِرَبِّكَ وَاسْجُدْ وَارْكَعْ مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾ والسجود قبل الركوع،
ولم يبال بتقديم ذكره لما كان بالواو، (اعراب القرآن، ۹۵)
- ۱۶۔ اصول بزدوی، ۹۴

- ۱۷۔ کشف الاسرار، ۲/۱۸۱، ۱۸۲
- ۱۸۔ اصول سرخسی، ۱/۲۲۰
- ۲۰۔ البرہان، ۱/۱۳۸
- ۲۲۔ کشف الاسرار، ۱/۲۸۹
- ۲۳۔ کشف الاسرار، ۲/۱۸۹
- ۲۶۔ کشف الاسرار، ۲/۲۹۴
- ۱۹۔ القرآن ۳: ۱۵۴
- ۲۱۔ مغنی الملیب، ۶: ۴۷
- ۲۳۔ اصول بزدوی، ۹۶
- ۲۵۔ اصول سرخسی، ۱/۲۲۲
- ۲۷۔ شرح نور الانوار، ۱/۲۹۴
- ۲۸۔ آمدی، علی بن ابی علی، سیف الدین، الاحکام فی اصول الاحکام، مصر، دار الحدیث خلف الجامع الازھر، س۔ ن، ۱/۵۱
- ۲۹۔ البرہان، ۱/۱۳۹